اخوان المسلمون

حسن البنّا سے مصطفیٰ مشہور تک

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی ٥

(دوسری قسط)

شیخ ہضیبی کے انتقال پر ملال کے بعد اخوان نے باہم غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ تنظیم خلاف قانون ہے تو کیا ہوا؟ نئے مرشد عام کا انتخاب ضروری ہے۔ انھوں نے مکتب الارشاد کے سب سے بزرگ رکن کو مرشد عام بنانے کا فیصلہ کیا اور اس طرح السید عمر تلمسانی تیسرے مرشد عام مقرر ہوئے۔

السید عمر تلمسانی (۱۹۰۴ - ۱۹۸۶)

سید عمر تلمسانی ۴ نومبر ۱۹۰۴ کو قاہرہ کے علاقے غوریہ میں خوش قدم محلے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن اصلاً الجزائر تھا جہاں ان کے آبا و اجداد قصبہ تلمسان میں رہایش پذیر تھے۔ ۱۸۳۰ میں فرانسیسیوں نے جب اس قصبے پر بھی قبضہ کر لیا تو آپ کے پردادا اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مصر آ گئے اور تجارت شروع کر دی۔ سید عمر تلمسانی کے ابتدائی ۳ سال ہی گزرے تھے کہ والد نے شہر چھوڑ کر مرکز شبین القناطر کے گاؤں نوئی میں واقع اپنے فارم پر سکونت اختیار کر لی۔ یہیں مدرسہ سیدی علی میں شیخ عبدالعزیز الطماوی اور شیخ احمد الرفاعی جیسے اساتذہ سے آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ عمر کے ۱۰ ویں سال ہی میں اخبار المقطم کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ دادا کی وفات ہوئی تو والد اپنے بچوں کو لے کر ایک بار پھر قاہرہ منتقل ہو گئے۔ وہاں جمعیۃ الخیریہ کے مدرسے میں آپ نے ثانوی تعلیم مکمل کی۔ ۱۹۲۴ میں یہیں سے آپ

---

٥ ریڈر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

نے آرٹس میں بی اے کی ڈگری حاصل کی اور یونی ورسٹی لا کالج میں داخل ہو گئے۔ کئی بار امتحان میں ناکام ہوئے۔ ۱۹۳۱ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد عتبہ خضرا میں ایک وکیل ابراہیم بک ذکی کے دفتر میں اپرنٹس شپ سے آپ نے باقاعدہ عملی زندگی شروع کی۔ اس دور کی تکمیل کے بعد شبین القناطر ہی میں اپنا ذاتی دفتر قائم کر کے وکالت کا آغاز کر دیا۔ یہی دور تھا جب ۱۹۳۳ میں آپ نے شیخ حسن البنا سے ملاقات کی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے باقاعدہ اخوان المسلمون میں شرکت اختیار کی۔

وکالت کا پیشہ جاری رکھتے ہوئے سید عمر تلمسانی نے اخوان المسلمون کی تمام دعوتی اور سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اخوان سے مکمل وابستگی اور وفاداری کو دیکھتے ہوئے شیخ حسن البنا نے آپ کو ایک بار بیت المال کا ناظم بھی مقرر کیا۔ کچھ سالوں کے بعد مرشد عام نے تنظیم کا نائب مرشد عام بننے کی پیش کش بھی کی مگر یہ کہہ کر آپ نے معذرت کر لی کہ میں اس منصب کا اہل نہیں۔ لہٰذا اسے قبول کرنا بددیانتی ہو گی۔ کئی بار اخوان کے امیدوار کی حیثیت سے ملکی انتخابات میں بھی حصہ لیا مگر کامیاب نہ ہو سکے' کیونکہ انتخابات کے طور طریقوں اور انتخاب جیتنے کے ظاہری اور خفیہ ڈھنگ سے بالکل نابلد تھے (السید عمر تلمسانی' یادوں کی امانت' ترجمہ حافظ محمد ادریس' ص ۶۸)۔

سید عمر تلمسانی دوسرے اخوانی کارکنوں کے ساتھ ۱۹۵۴ میں گرفتار کیے گئے۔ ان میں سے بعض شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ آپ کو ۱۵ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ بعد میں ۲ سال کی مزید توسیع کر دی گئی۔ اس طرح ۱۷ سال تک مسلسل پابہ بجولاں سنت یوسفی ادا کرتے رہے۔ جیل میں کس قدر پامردی و ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور ان کی مثالی شریک حیات نے گھر میں بند ہو کر شوہر کے جیتے جی کس طرح بیوگی کے دن کاٹے' اسے خود سید صاحب ہی کی زبانی سنیے:

> میں اپنی بیوی کے بارے میں اپنی غیرت کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جو ابھی مجھے یاد ہے۔ جمال عبدالناصر کی جیلوں میں' میں نے ۱۷ سال کا عرصہ گزارا' اکتوبر ۱۹۵۴ سے لے کر جولائی ۱۹۷۱ تک۔ اس عرصے میں مرحومہ نے ایک مثالی بیوی کا کردار نہایت صبرو استقامت اور نیک روی سے پیش کیا۔ جیل میں مجھے مسلسل ۱۰ سال بیت گئے اور اس عرصے میں میری اہلیہ ایک بار بھی ملاقات کے لیے نہ آئی' کیونکہ مجھے اس بات سے غیرت تھی کہ جیل کے کارندے اور میرے قیدی بھائی میری بیوی کو دیکھ پائیں۔ اخوانی بھائیوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ یہ قطع رحمی کی روش ہے اور قابل ملامت ہے۔ ان کے شدید اصرار پر میں نے بیوی کو جیل میں ملاقات کی اجازت دے دی۔ وہ مجھ سے ملنے جیل آئی اور میں نے پرسکون انداز میں اس کا استقبال کیا۔ گویا ہم ایک دوسرے سے ایک دن' یا دن کا کچھ حصہ جدا رہے تھے۔ میری طویل قید اور گھر سے غیر حاضری کے اس دور میں اللہ کی بندی نے کبھی میرے سامنے کوئی پریشانی پیش نہ کی' نہ میرے اہل و اقارب کے لیے کبھی کوئی مسئلہ

کھڑا کیا، اگرچہ کبھی کبھار میری والدہ یا بھائی بہنوں کی طرف سے اس کے ساتھ سختی بھی ہو جاتی (ایضاً، ص ۵۹)۔

سید عمر تلمسانی نے الوطن العربی کو انٹرویو میں جیل کے ان دلدوز حادثوں میں سے بعض کا ذکر کیا ہے جو ان کے ساتھ روا رکھے گئے۔ مصر میں "مسلم انتہاپسندی" کے بارے میں مرشد عام نے فرمایا:

تم لوگ ان انسانیت سوز مظالم سے کیوں صرف نظر کر لیتے ہو جو ان نوجوانوں کے ساتھ مصری جیلوں میں روا رکھے جاتے ہیں؟ مصر کی جیلوں میں قید اسلامی فکر رکھنے والے نوجوانوں کو ایسی بہیمیت کا نشانہ بنایا جاتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے غیر انسانی رویے کے رد عمل کے طور پر اگر یہ نوجوان بھی سخت رویہ اختیار کر لیتے ہیں تو اس پر حکومتی ذرائع ابلاغ وہ شور مچاتے ہیں کہ الامان والحفیظ! مصری جیلوں میں ۱۹۵۴ اور ۱۹۶۵ میں خود ہمارے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ ابلیس لعین کے حاشیہ خیال میں کبھی نہ آیا ہو گا۔ میں تمھیں صرف ایک بات بتاتا ہوں جس سے تم سمجھ جاؤ گے کہ اس دھرتی کے سینے پر کیسے کیسے شنیع واقعات رونما ہوتے رہے ہیں۔ جیل میں ایک مرتبہ میری حقیقی ہمشیرہ کو میری کوٹھڑی کے سامنے لایا گیا۔ میں کوٹھڑی کے اندر بند تھا اور میرے پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جیل حکام کے مجمع عام کے سامنے میری بہن کو مادر زاد ننگا کر دیا گیا۔

یہ منظر میری کوٹھری کے عین سامنے کا تھا....! (ہفت روزہ المجتمع 'کویت' شمارہ ۱۲' فروری ۱۹۸۵)۔

جمال عبدالناصر کے بعد محمد انور السادات (۱۹۱۸-۱۹۸۱) کا دور مصر میں آزادی اور جمہوریت کا دور قرار دیا جاتا ہے۔ انھوں نے ناصری دور کی دہشت گردی اور بربریت کا خاتمہ کیا۔ کسی حد تک قانون کی بالادستی قائم کی اور اخوانی رہنماؤں اور دوسرے قیدیوں کو بہ تدریج جیل خانوں سے رہا کیا۔ خارجہ پالیسی میں یہ تبدیلی آئی کہ ابتدا میں روس سے ۱۵ سالہ دوستی کا معاہدہ کیا مگر ۱۹۷۲ میں روس کی منافقانہ سیاست کی وجہ سے امریکہ سے مفاہمت کر لی۔ اسرائیل کی طرف بھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ستمبر ۱۹۷۸ میں امریکہ میں کیمپ ڈیوڈ کے مقام پر اسرائیل کے ساتھ ایک سمجھوتے پر دستخط کر دیے جس سے عالم اسلام میں سادات کی زبردست مخالفت ہوئی۔ مگر اس مفاہمت کے نتیجے میں بہ تدریج ۱۹۸۲ تک ۴۲ ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے جزیرہ نما سینا کو اسرائیل نے مصر کے لیے خالی کر دیا۔ ۱۸ فروری ۱۹۸۰ کو قاہرہ میں اسرائیل کا سفارت خانہ بھی قائم ہو گیا۔

اس دور میں مسلسل اخوان المسلمون پر بندش عائد رہی۔ البتہ اس کا رسالہ الدعوة جولائی ۱۹۷۶ سے دوبارہ جاری ہوا، اور دعوتی و دینی سرگرمیاں تنظیم کا نام استعمال کیے بغیر مسلسل انجام دی جاتی رہیں۔ مرشد عام تلمسانی کو غیر سرکاری سطح پر تسلیم بھی کیا گیا اور حکومت نے مختلف مواقع پر انھیں افہام و تفہیم کی دعوت بھی دی۔ سید تلمسانی نے اس پورے دور میں تعلیمی اور تربیتی امور پر توجہ مرکوز رکھی۔ یونی

ورسٹیوں اور کالجوں میں طلبہ الجماعات الاسلامیہ کے نام سے منظم ہوئے اور طلبہ انتخابات میں اسلام پسند پھر فتح یاب ہونے لگے اور اسلامی قانون کے نفاذ کا غلغلہ بلند ہونے لگا (تفصیل کے لیے دیکھیے: آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف دی ماڈرن اسلامک ورلڈ، اشاعت ۱۹۹۵، ج ۲، ص ۳۵۴-۳۵۶)۔

الجماعات الاسلامیہ دراصل مختلف اسلام پسند تنظیموں کا ایک ڈھیلا ڈھالا وفاق تھا جس نے انور السادات کی لبرل پالیسی سے فائدہ اٹھا کر کام کرنا شروع کیا۔ یہ ساری تنظیمیں شیخ حسن البنا اور ان کی الاخوان المسلمون سے متاثر تھیں مگر اس پر قانونی بندش سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے علیحدہ کام کرنا شروع کیا۔ اس کے رہنما شیخ عمر عبدالرحمٰن تھے جو قصبہ فیوم کے ایک نابینا خطیب اور مبلغ تھے۔ اس وفاق نے پورے ملک میں مساجد کے ذریعے اسلامی شریعت کی تنفیذ کی مہم چلائی۔ قاہرہ، اسکندریہ، پورٹ سعید، علاقہ سویز اور بالائے مصر میں اسیوط، فیوم اور المینا خاص طور پر اس کی سرگرمیوں کے مرکز تھے۔ ان شہروں کی تمام مسجدوں میں درس قرآن کے منظم حلقے قائم کیے گئے اور ضرورت مندوں کو کھانا اور کپڑا بھی فراہم کیا گیا۔ ۷ ویں دھائی میں المینا، فیوم، قنا اور اسوان میں مختلف کالجوں اور یونی ورسٹیوں کی تاسیس سے اس وفاق کو استحکام ملا۔ کیونکہ وہاں کے طلبہ میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں بھی ان مسجدوں کے خطبا نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ان میں قائد ابراہیم مسجد، اسکندریہ کے خطیب شیخ احمد المحلاوی اور قاہرہ کی مسجد النور اور سویز کی مسجد الشہدا کے خطیب شیخ حافظ سلامہ نے اپنی پرجوش اور ولولہ انگیز تقریروں کے ذریعے اسرائیل کے خلاف جہاد و شہادت کا ماحول گرم کیا۔ شیخ عمر عبدالرحمٰن نے بھی اپنی شعلہ بار تنقیدوں کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ ۶ اکتوبر ۱۹۸۱ کو ایک فوجی پریڈ کے درمیان صدر انور السادات کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

الجماعات الاسلامیہ کے خطیبوں اور رہنماؤں نے ملک میں نفاذ شریعت کی تحریک چلائی۔ انھوں نے شیخ الازہر اور وزارت اوقاف کے ذریعے ملک کی مسجدوں اور مذہبی سرگرمیوں کی حکومتی تنظیم کی بھی مخالفت کی اور مذہب کو حکومتی مشینری کے دائرہ اثر سے آزاد رکھنے اور عام مسلمانوں کی دینی و معاشرتی سرگرمیوں میں مداخلت نہ کرنے پر زور دیا۔ شیخ عبدالرحمٰن نے ایک قدم اور آگے بڑھتے ہوئے سیاسی انتخابات میں حصہ لینے اور ملکی نظام کے جمہوری اداروں کی بقا و ترقی میں شرکت کرنے پر اخوان کو بھی آڑے ہاتھوں لیا۔ شیخ نے جمہوری نظام سے قطع تعلق کرنے کی اپیل کی۔ ۱۹۸۸ کے اواخر میں فیوم، مینا اور اسیوط کے متعدد شہروں میں خون ریز تصادم کے المناک واقعات پیش آئے۔ یہ جھڑپیں شیخ کے متبعین اور مقامی پولیس کے دستوں کے درمیان ہوئیں۔ چنانچہ حکومت نے الجماعات الاسلامیہ کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگا دی۔ ان کی مساجد مقفل کر دیں اور طلبہ یونین کے تمام انتخابات معطل کر دیے۔ ہزاروں کارکنوں کو قید کر لیا گیا اور گھروں کی تلاشیاں لی گئیں۔ شیخ عمر عبدالرحمٰن بھی گرفتار کر لیے گئے۔ آخر کار

انھیں ملک بدر ہونا پڑا اور ریاست ہاے متحدہ امریکہ میں پناہ لینی پڑی (آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف دی ماڈرن اسلامک ورلڈ' حوالہ بالا' ج ا' ص ۱۰)۔

صدر انور السادات نے اخوانی رہنماؤں اور کارکنوں کو آغاز حکومت میں کچھ مراعات فراہم کیں مگر اس فراخ دلی اور وسیع النظری کا اصل محرک کیمونسٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو متوازن کرنا تھا۔ ایک مخصوص دائرے سے آگے وہ اخوان کی پیش قدمی اور مقبولیت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وقتاً فوقتاً وہ اخوانی رہنماؤں کو اپنی طاقت اور برتری کا احساس دلاتے رہتے تھے۔ ۱۹۷۹ میں اسماعیلیہ میں "الفکر الاسلامی" کے موضوع پر سیمینار منعقد ہوا تو تمام دینی جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ سید عمر تلمسانی نے شرکت سے معذوری ظاہر کی کیونکہ انھیں یہ گوارا نہ تھا کہ صدر مملکت ان پر اپنی دھونس جمائیں مگر وزیر ثقافت و اطلاعات سید منصور حسن نے اصرار کر کے انھیں راضی کر لیا۔ وہ الحاج مصطفیٰ مشہور اور ڈاکٹر عبدالعظیم المطعنی کے ساتھ سیمینار میں شریک ہوئے۔ اس میں صدر مملکت نے اپنی پوری تقریر میں اخوان ہی کو مختلف بے سروپا اعتراضات و الزامات کا نشانہ بنائے رکھا اور انھیں تخریب کاری اور فرقہ وارانہ فسادات کا ذمہ دار ٹھیرایا۔ بہرحال سید تلمسانی نے صدر کے تمام الزامات کا ترکی بہ ترکی جواب دیا (السید عمر تلمسانی' یادوں کی امانت' حوالہ بالا' ص ۳۵۷-۳۵۹)۔

۱۹۸۱ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تو دوسری سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اخوان بھی مبتلائے عذاب ہوئے۔ ۳ ستمبر ۱۹۸۱ کو بڑے پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئیں اور اخوانی کارکنوں کو جیلوں میں زد و کوب کیا گیا۔ بہرحال یہ ایک دور تھا جو گزر گیا اور اس پورے دور میں اخوان عوامی طاقت بنے رہے۔ سادات کے قتل کے بعد ملک کی زمام کار حسنی مبارک کے ہاتھوں میں آئی۔

صدر حسنی مبارک نے آغاز حکومت میں اچھے اقدامات کیے۔ سیاسی قیدیوں اور نظربندوں کو رہا کیا۔ اخبارات و رسائل کو تنقید کی آزادی دی اور انھیں تاکید کی کہ ممالک عربیہ کے سربراہوں پر دشنام طرازی نہ کریں مگر اخوان المسلمون آج بھی خلاف قانون ہے۔ اس کی سیاسی اور قانونی حیثیت کو حکومت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ۱۹۸۶ میں مرشد عام کبر سنی' علالت اور مسلسل نقاہت کے باعث جوار رحمت الٰہی میں چلے گئے۔ اِنّا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

سید عمر تلمسانی زندگی بھر اسرائیلی ریاست کے قیام کے مخالف رہے۔ انھوں نے کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی مخالفت خالص دینی اور اسلامی جذبے سے کی تھی۔ وہ یہودیوں سے دوستی اور تعلقات کو سعی لاحاصل قرار دیتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر اس معاملے میں بالکل واضح تھا:

اخوان المسلمون جن کے دل اسلام کی رحمت اور آشتی سے پر ہیں کبھی یہ نہیں کہتے کہ اسرائیل کو سمندر میں غرق کر دیا جائے۔ وہ نہ یہ نعرہ ہی لگاتے ہیں کہ آخری یہودی کو آخری کیمونسٹ کی آنتوں

سے پھانسی پر لٹکایا جائے۔ خوں ریزی اسلام کے مزاج کے منافی ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہودی ارض فلسطین پر عام شہریوں کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ ہم انھیں علاقے پر حکمرانی اور خوف و ہراس کے ذریعے تسلط کی اجازت دے دیں تو یہ کبھی نہیں ہو گا۔ اقلیت دنیا بھر میں اکثریت کے ساتھ اطمینان و سکون سے زندگی گزارتی ہے۔ مگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اہل ایمان کے کھلے اور بدترین دشمن، مسلم رعایا پر عدل و انصاف سے حکومت کریں گے (پھر ان کو اقلیت میں رہتے ہوئے حکمرانی کا کیا حق حاصل ہے)۔ ان سے انصاف کی توقع عبث اور ناممکن ہے۔

ومكلف الايام ضد طباعها متطلب فى الماء جذوة نار

ترجمہ۔ جو شخص قوانین طبعی کو ان کے نظام کے خلاف چلانا چاہتا ہے، وہ گویا پانی کے اندر آگ کا انگارا دیکھنے کا خواہش مند ہے (ایضاً، ص ۱۱۴)۔

سید عمر تلمسانی کو ام کلثوم کے نغمے بہت پسند تھے۔ وہ ان نعتیہ اشعار سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے جو امیر الشعراء شوقی [1] (۱۸۶۸-۱۹۳۲) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھے تھے اور ام کلثوم نے پرسوز آواز میں ان کو گایا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ام کلثوم مرحومہ اپنے فن میں لاجواب تھی مگر افسوس کہ اس نے ظلم اور ظالموں کے قافلے میں شمولیت اختیار کر لی۔ فن کار اگر اپنے فن میں مخلص ہو تو اسے ظلم کا ساتھ کبھی نہیں دینا چاہیے۔ فن تو ادب لطیف اور حس رقیق کا نام ہے اور فن کار اخلاق عالیہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اسے نرم دلی، رحم، شعور اور ہمدردی کا مظاہرہ کرنا چاہیے نہ کہ وہ سنگ دلی اور ظلم کا مجسمہ بن جائے (السید عمر تلمسانی، یادوں کی امانت، حوالہ بالا، ص ۳۳۴-۳۳۵)۔ (جاری)

حواشی و تعلیقات

(۱) امیر الشعراء احمد شوقی (۱۸۶۸-۱۹۳۲) کا مولد و مدفن قاہرہ ہے۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد ۱۸۹۱ میں فرانس سے قانون میں گریجویشن کیا۔ مختلف مناصب پر فائز ہوئے۔ آخر میں ۱۹۱۹ میں مصری سینیٹ کے رکن مقرر ہوئے اور تاحیات یہ رکنیت برقرار رہی۔ شعر کی مختلف اصناف مدح، غزل اور مرثیہ نگاری میں شہرت حاصل کی۔ مصر اور عالم اسلام کے سیاسی و سماجی موضوعات پر بھی لکھا۔ شعری مجموعہ الشوقیات ۴ حصوں میں طبع ہو چکا ہے۔ آپ کا ایک دوسرا مجموعہ نظم دول العرب بھی مقبول ہے۔ مصرع کلیوباطرہ، مجنون لیلی، قمبیز، علی بک اور علی بک الکبیر آپ کی ادبی تخلیقات ہیں۔ امیر شکیب ارسلان نے آپ کی سیرت و سوانح پر شوقی او صداقۃ اربعین سنۃ تحریر کی۔ متعدد ادبا اور شاعروں نے آپ کی ادبی و شعری زندگی پر گراں قدر کتابیں لکھیں جن میں احمد عبدالوہاب ابو العز کی اثنا عشر عاما فی صحبۃ امیر الشعراء، انطون جمیل کی شوقی، محمد خورشید کی امیر الشعراء شوقی بین العاطفۃ والتاریخ قابل ذکر ہیں۔